تحقیق و تنقید

اختلافِ قراءت اور احادیثِ نبوی

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

مصاحفِ عثمانی کی تدوین کا بنیادی محرک قراءت کا اختلاف تھا، جو نوعیت میں گونا گوں تھا۔ احادیثِ نبوی کے مطابق قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا تھا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ عربوں کو قراءت میں آسانی رہے۔ سات حروف (سبعة أحرف) کی بحث خاصی پیچیدہ اور مشکل بن گئی ہے، یا مختلف اقوال و افکار نے بنادی ہے۔ اس میں یہ حقیقت فراموش کردی جاتی ہے کہ ہر زبان اور ہر قوم کے لہجے اور تلفظ مختلف ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں بھی یہی صورتِ حال تھی اور آج بھی ہے۔[1]

اختلافِ قراءت اور تعددِ تلفظ علاقائی، جغرافیائی اور قومی/ قبائلی لہجات کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ فصیح زبان، خواہ عربی ہو یا کوئی اور، رنگا رنگ لہجوں، رنگ برنگی قراءتوں اور قسم قسم کے تلفظوں کے امکانات رکھتی ہے۔ ایک دوسری غلط فہمی یہ راہ پاگئی ہے کہ ہر ہر لفظ اور ہر ہر کلمہ میں قراءت مختلف، تلفظ بدلا ہوا اور لہجہ الگ ہوگا۔ ایسا فطری طور سے بھی ممکن نہیں اور لسانی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ ورنہ زبان ہی دوسری ہوجائے گی، ایک نہ رہے گی۔ قرآن مجید چوں کہ تمام قبائلِ عرب وعجم اور اقوام ممالک و دیار اور مقاماتِ روئے ارض کے لیے نازل ہوا ہے، لہذا سب کی رعایت رکھی گئی۔[2]

تمام عرب قبائل عربی بولتے تھے اور ان کی فصیح زبان یکساں تھی۔ مگر زبان کی حرکت، مقامی اثرات اور تربیتی اختلافات کے سبب بہت سے الفاظ کو وہ ایک جیسا ادا کرنے پر قادر نہ تھے۔ اسی بنا پر صحابہ کرام میں اختلافِ قراءت ہوا۔ عہدِ نبوی کے عربی رسم خط-حمیری خط- میں اعراب اور نقطے نہیں تھے، املا بھی مختلف تھا، حروف کی کشش اور

ملاوٹ میں بھی ایک ترکیبی اندازِ خاص تھا، ان جیسی دوسری وجوہ بھی تھیں۔ لہٰذا اختلافِ قراءت کو روا رکھا گیا۔ اور قراءتِ ابن مسعودؓ ہذلی، قراءت ابو موسیٰ اشعریؓ، قراءتِ ابی ابن کعبؓ خزرجی وغیرہ کے علاوہ قراءتِ کوفہ، قراءتِ بصرہ، قراءتِ عراق اور قراءتِ شام وجود میں آئیں۔[۳]

زبانِ قریش بنیادی لہجہ، اصلی قراءت اور فصیح ترین تلفظ تھا جس پر قرآنِ کریم نازل ہوا۔ اس کے باوجود دوسرے علاقوں کے لہجوں، قبائل کی قراءتوں اور قاریوں کے تلفظ کو اس میں سمونے کی گنجائش رکھی گئی، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام اہلِ زبان بھی ایک ہی جیسے تلفظ، یکساں قراءت اور معیاری لہجہ پر قادر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ افصح ہوتے ہیں، کچھ فصیح اور کچھ فصاحت کے درجے سے نیچے۔ یہ علم و تعلیم اور تربیت کا معاملہ ہے۔ امّی ہونے کے باوجود رسول اکرم ﷺ افصح العرب تھے کہ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت فصیح ترین قبیلوں -قریش و ہوازن- کی تعلیم و تربیت اور زبان شناسی کا حصہ رہا تھا۔ اور اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کا کہ اس ذاتِ رسالت مآب ﷺ کو حاملِ قرآن کریم بنانا تھا۔ قبیلہ قریش میں بھی فصاحت کے لحاظ سے اختلاف و فرق اور امتیاز و اختصاص پایا جاتا تھا۔ مصاحفِ عثمانی کی تدوین کے پسِ منظر میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لہجہ سے سب سے زیادہ مشابہ تمام صحابہ کرام میں حضرت سعید بن العاص امویؓ تھے، حالاں کہ ان کو حیاتِ نبوی کی برکات سے استفادہ کا موقعہ صرف نو سال ملا تھا۔

فطری اختلاف کے علاوہ رسولِ اکرم ﷺ نے غالبًا سات حروف کی الٰہی رخصت کی گنجائش رکھنے کی خاطر دو قریشی صحابۂ کرام کو ایک ہی سورہ -سورۃ الفرقان- مختلف حروف کے ساتھ سکھائی تھی۔ حضرت عمر بن خطاب عدویؓ نے سورۂ کریمہ کو ذاتِ نبوت ﷺ سے مکہ مکرمہ میں سیکھا تھا، جب کہ حضرت ہشام بن حکیم بن حزام اسدیؓ کو اسی سورت کی تعلیم بعد میں -شاید مدینہ منورہ میں یا ہجرتِ مدینہ کے بعد- ملی تھی۔ حضرت ہشامؓ کی قراءت کے اختلاف نے حضرت عمر عدویؓ کو شدید برافروختہ کر دیا تھا۔ خدمتِ

نبوی میں مقدمہ کی پیشی کے دوران معلوم ہوا کہ فریقین کے اختلافِ قراءت کو تعلیمِ نبوی کا جواز حاصل تھا۔[۴]

متنِ قرانی میں اختلافِ قراءت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ قدیم کتبِ تفسیر و حدیث و قرآن میں بھی اور جدید مقالات اور کتابوں میں بھی۔ بعض اہلِ علم نے مصاحفِ عثمانی کے پسِ منظر میں بھی مختصراً کلام کیا ہے۔ لیکن وہ تدوینِ مصاحفِ عثمانی کے پیش منظر کو دھندلا کر دیتا ہے، کیوں کہ بعض نتائج ایسے اخذ کر لیے گئے ہیں جو اصل بحث سے نہیں نکالے جاسکتے۔ اس لیے اس مقالے میں اختلافِ قراءت کی نوعیت سے تعرض کیا جائے گا۔ اور مکمل بحث کے بعد نتائج و حقائق کو سامنے لایا جائے گا۔ ابن ابی داؤد سجستانی، ابن قتیبہ دینوری، جلال الدین سیوطی وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے، مگر ہماری بحث حدیثِ نبوی کے حوالے سے ہوگی۔

اختلافِ قراءت کی نوعیت

اس مسئلہ پر مولانا سعید احمد اکبرآبادی رحمہ اللہ نے ابنِ قتیبہ کی بحث پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تمام اختلافاتِ قراءت کو سات اقسام میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱۔ لفظ کی صورت یکساں مگر اعراب میں اختلاف، اس کے باوجود معنی میں چنداں فرق نہ آئے۔

۲۔ لفظ کی صورت یکساں مگر اس کے اعراب و حرکات سے معانی بدل جائیں۔

۳۔ لفظ کی صورت غیر یکساں، حروف کا فرق، مگر اعراب میں اختلاف نہ ہو، اس کے باوجود معنی میں تبدیلی آجائے۔

۴۔ لفظ مختلف، مگر معنی یکساں۔

۵۔ لفظ مختلف ہوں اور معنی بھی مختلف ہوں۔

۶۔ کلمہ میں الفاظ میں تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہو۔

۷۔ الفاظ میں کمی بیشی پائی جائے۔[۵]

مولانا اکبرآبادی نے مزید لکھا ہے کہ ''یہ اختلافات تو لفظوں میں محدود تھے، ......مصاحف میں اختلاف سورتوں میں کمی بیشی تک کا تھا۔ پھر الفاظ کے تلفظ کا اختلاف بھی تھا، مثلاً قبیلہ ہذیل کے لوگ ''حتّٰی'' کو ''عتّٰی'' بولتے تھے، چنانچہ ''حتی حین'' کو ''عتی حین'' پڑھتے تھے۔ ''تَعلمون'' اور ''تَعلم'' میں اسدی کی قراءت بکسر التاء یعنی ''تِعلمون وتِعلم'' ہے۔ پھر ایک اختلاف یہ بھی تھا کہ عام قاعدہ کے مطابق اِنَّ، أن جو حروف ...... بالفعل ہیں ان کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ مگر بعض قبیلے اسے مرفوع پڑھتے تھے، مثلاً: ''اِنَّ هٰذان لَسَاحِرَان'' اور ''ان هذين لساحران''۔[٦]

اس پوری بحث میں حدیثِ نبوی کے ذخیرہ سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے اور بالعموم اس سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے، لہٰذا ہماری بحث میں اختلافِ قراءت کی نوعیت کو احادیثِ نبوی اور کتبِ حدیث کے حوالے سے مستند کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

کتبِ حدیث میں اختلافِ قراءت

اس بحث کا آغاز دو قریشیوں ۔ حضرت عمر عدویؓ اور حضرت ہشام اسدیؓ ۔ کے اختلافِ قراءت سے کرنا سب سے زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ دونوں کی لغت زبانِ قریش تھی، اس کے باوجود ان کی قراءت میں فرق تھا۔ اس سے اہم ترین نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ ''سبعة أحرف'' یا اختلافِ قراءت میں مختلف عرب لغتوں کا دخل نہیں تھا۔ دونوں قریشیوں کی زبان ایک تھی اور ان کے معلمِ اکرم ﷺ کی بھی وہی زبان ۔ قریشی ۔ تھی تو اختلافِ لغت ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اصل اختلاف سے بحث بعد میں کی جائے گی۔ پہلے اختلافِ قراءت کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ان مثالوں کو حافظ ابن عبد البرؒ نے جمع کیا تھا جو عہدِ صحابۂ کرام سے قراءِ عظام سورہ الفرقان کے باب میں اختلافات کے نتیجہ میں پیدا ہوئیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کو اختصار مگر اضافوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انھوں نے شروع ہی میں یہ صراحت بھی کردی ہے کہ صرف ایک جگہ سورہ فرقان-٦١ ''وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجاً'' کو بعض قراء

نے ''جَعَلَ فِیھَا سُرُجاً '' پڑھا ہے۔ یہی ایک مقام ہے جہاں خط میں مصحفِ عثمانی سے فرق نظر آیا ہے، ورنہ موجودہ مصحف عثمانی کے رسم الخط سے باقی اختلافاتِ قراءت لفظی اختلاف نہیں رکھتے! یہ حافظ ابن التین'' کا خیال ہے اور اس پر ابن حجرؒ کا نقد ملتا ہے۔

نمبر آیت	خطِ مصحفِ عثمانی	اختلافِ قراءت
۱۔	تبرك الذی نزّلَ الفرقان علی عبدہ	تبرك الذی اَنْزَلَ الفرقان علی عِبٰدِہ / عَبِیْدہ
۵۔	وقالوا اساطیرُ الاوّلِیْنَ اکْتَتَبَھَا	وقالوا اساطیرَ الاولین اکتتبھا
۷۔	فیکونَ معه نذیرا	فیکونُ معه نذیرا
۸۔	او تکونُ له جنةٌ یَاْ کُلُ مِنھَا	او یکون له جنة نَاْکُلُ منھا
۱۰۔	وَیَجْعَلْ لك قصوراً	ویَجْعَلُ لك قصورا/ ویَجْعَلَ لك قصورا
۱۳۔	واذا اُلْقُوا منھا مکاناً ضیقاً مُقَرَّنِیْنَ دعوا ھنالك ثُبُوراً	واذا القوا منھا مکانا ضِیُقاً مُقَرَّنُوْنَ دعوا ھنالك ثُبوراً
۱۷۔	وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ من دون الله فَیَقُوْلُ......	وَیَوْمَ نَحْشُرُھُمْ/ یَحْشِرُھُمْ وما یعبدون من دُوْنِنَا فَنَقُوْلُ......
۱۸۔	ما کان یَنْبَغِیْ لنا ان نَتَّخِذَ	ما کان یُنْبَغٰی لنا ان نُتَّخَذَ
۱۹۔	فقد کَذَّبُوْکُمْ بما تقولون فما تَسْتَطِیْعُوْنَ صرفا ولانصرا ومن یَظْلِمُ مِنکم نُذِقْهُ	فَقَدْ کَذَبُوْکم بما یَقُوْلُوْنَ فما یَسْتَطِیْعُون صرفا ولانصرا ومن یظلم منکم یُذِقْهُ
۲۰۔	... إلا إنّھم لیاکلون الطعام ویَمْشُوْنَ	إلا أَنَّھُمْ لیاکلون الطعام ویَمَشُّوْنَ
۲۲۔	... ویقولون حِجْراً مَحْجُوْراً	ویقولون حُجْراً /حَجْراًمحجوراً
۲۵۔	ویوم تَشَقَّقُ السماء بالغمام ونُزِّلَ الملٰئکةُ	ویوم تَشْقَقُ السماء بالغمام ونُنْزِلُ (والاصل تنزل)ونَزَّلَ الملٰئکةَ/ ونَزَلَ الملٰئکةُ / ونُنْزِلُ الملٰئکةَ/وَنُنَزِّلُ/ وَنزلَتْ / وَتَنَزَّلَتْ
۲۷۔	یٰلَیْتَنِی اتَّخذتُ	لیتنی اِتَّخَذْتُ
۲۸۔	یٰوَیْلَتٰی	یٰوَیْلَتِیْ (ومنھم من امال: یعنی یٰوَیْلَتِیْ)

۳۰۔ ان قومی اتخذوا	مِنْ قَوْمِی
۳۲۔ لِنُثَبِّتُ به فوادك	لِيُثَبِّتَ به فوادك
۳۶۔ فَدَمَّرْنٰهُمْ	فَدِمِرنّاهم/فَدِمراهم
۳۸۔ وعَاداً وثَمُوْدَا	وَعَاداً وَثَمُوْدَ
۴۰۔ اُمْطِرَتْ مَطَرَالسَّوْءِ	مُطِرَتْ/ اُمْطِرُوْا /اَمْطَرْنٰهُمْ (بعد کے دونوں۔ابن مسعود) مَطَرَالسُّوْءِ / مطرالسُّوْ/ مَطَرَالسَّوّ/ مطرالسّوِ
۴۱۔ ..الا هُزُواً اهذاالذی بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلاً	هُزُواً/ هُزُوا (بغیر همزه) اختاره الله من بَيْنِنَا
۴۲۔ عن الهتنا	عن عبادة الهتنا (ابن مسعود و ابی)
۴۳۔ أرء يت من اتخذ الٰهه هوٰه	أرء يت من اتخذ الِهَةً/اُلْهَةً (اول: ابن مسعود)
۴۴۔ام تَحْسَبُ ان اكثرهم يسمعون او يعقلون	ام تحسَبَ (فتح السين؟) ان اكثرهم ليسمعون او يُبصِرون (ابن مسعود)
۴۸۔وهو الذی اَرْسَلَ الريٰح بُشْراً	وهو الذی جَعَلَ (ابن مسعود) الريٰح بُشْرا/بَشْراً بُشْرىٰ
۴۹۔لِنُحْيِیَ به بلدة مَيْتاً ونُسْقِيَهُ... وَاَنَا سِیَّ	لِنُنْشِربه (ابن مسعود) /بلدةً مَيِّتاً ونَسْقِيَهُ اَنَاسِیَ
۵۰۔ولقد صَرَّفْنٰهُ بينهم لِيَذَّكَّرُوْا	ولقد صَرَفْنٰهُ بينهم لِيَذْكُرُوا
۵۱۔ وهذا مِلْحٌ اُجَاجٌ ... وَحِجْراً محجورا	وهذا مَلِحٌ اُجَاجٌ ... حُجْرا محجورا (سابق قراءت)
۵۹۔الرحمٰنُ فَسْئَلْ به	الرحمٰنِ فسئل به / الرحمٰن فاسئل به /فَسَلْ به
۶۰۔...لِمَا تَأْمُرُنَا وزادهم نفورا	لِمَا يَأْمُرُنَا/ لما تامرنا به (ابن مسعود)
۶۱۔... سرٰجاً وقمراً مُنِيراً	سُرُجاً وقُمْراً مُنِيْراً
۶۲۔لمن اراد ان يَذَّكَّرَ	لمن اراد ان يَذْكُرَ/ يتذكر (ابی بن کعب وابن مسعود)
۶۳۔وعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الذين يَمْشُوْنَ	عُبَّادُ الرحمٰنِ / عُبُدُ الرحمن/عَبِدالرحمٰن؟ الذين يَمَشُّوْنَ

۶۴۔ یَبِیتُوْنَ لربھم سُجَّداً	یبیتون لربھم سُجُوْداً
۶۶۔ مستقرا و مُقَاماً	مستقراً و مقَاماً
۶۷۔ وَلَمْ یَقْتُرُوْا و کان بین ذلك قَوَاماً	ولم یُقْتِرُوْا/ ولم یَقْتِّرُوْا / ولم یَقْتِرُوْا و کان بین ذلك قِوَاماً/ و کان بین ذلك قَوّاماً
۶۸۔ یَلْقَ آثَاماً	یَلْقٰی آثَاماً/ یُلَقَّ اثاما (اول: ابن مسعود)
۶۹۔ یُضٰعَفُ له العذابُ یوم القیٰمة و یَخْلُدُ فِیْه مُھَاناً	یَضْعَفُ له العذابُ / یُضَعَّفُ له العذابُ /نُضٰعَفُ له العذابَ یوم القیمة و یُخَلَّدُ / یُخْلَدُ / تُخلد فیه مُھَاناً
۷۴۔ من ازواجنا و ذُرِّیٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ	من ازواجنا و ذرِّیتناَ قُرّا تَ (ابن مسعود)
۷۵۔ یُجْزَوْنَ الغُرْفَةَ بما صبروا وَ یُلَقَّوْن فیھا	یُجزون الجَنَّةَ (ابن مسعود) بما صبروا ویَلْقُوْنَ فیھا
۷۶۔ فقد کَذَّبْتُمْ	فقد کَذَّبَ الکافرون (ابن مسعود و ابن عباس و ابن الزبیر) فقد کَذَبَ الکافرون
فسوف یکونُ لِزَاماً	فَسَوْف تَکُوْنُ لَزَاماً

حافظ ابن حجرؒ نے سورۂ فرقان میں اتنے اختلافاتِ قراءت کی نشان دہی کی ہے اور بڑی عرق ریزی سے کی ہے۔ ہمارے مطبوعہ نسخہ (فتح الباری، طبع دارالسلام ریاض ۱۹۹۷ء) میں غضب یہ ہوا ہے کہ آیاتِ قرآنی کا املا بسا اوقات مصحفِ عثمانی کے مطابق نہیں ہے، بلکہ جدید عربی املا اختیار کرلیا گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ حافظ ابن حجرؒ کی جدّت ہے یا مرتبینِ جدید کی۔ بظاہر موجودہ ناشرین ہی کی حرکت معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ آج کل آیاتِ قرآنی کے املا میں مصحفِ عثمانی کے خط کی پیروی نہیں کی جاتی۔ معلوم نہیں اس میں سہل انگاری کو دخل ہے، یا کسی اور وجہ کو۔ لیکن اس سے قراءت و کتابت کے فرق کو واضح کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور بلا وجہ اختلافات کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ حالاں کہ اصل املا میں لفظ/ الفاظ کی قراءتِ مختلفہ کا امکان بخوبی پایا جاتا ہے۔ مثلاً جہاں سے بحث کا آغاز کیا ہے وہیں ''وجعل فیھا سراجا'' لکھا گیا ہے، حالاں کہ

مصحف میں املا ہے ''وجعل فیها سِرٰجاً'' اسے بہ آسانی ''سِراجاً'' کے بجائے ''سُرُجاً'' پڑھا جا سکتا ہے اور لفظ کے املا میں فرق بھی نہیں آتا جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ خط مصحف میں تصحیف/تبدیلی کی دوسری مثالیں ہیں: تبٰرک کی جگہ تبارک، الملٰئکة کے بجائے الملائكة، یلیتنی کی جگہ یا لیتني، یٰویلتی کی جگہ یا ویلتی، فدمّرنٰهم کی بجائے فدمّرناهم ، فسْئل کی جگہ فاسأل ،یُضٰعفُ کی جگہ یضاعف وغیرہ ۔ بظاہر یہ حافظ ابن التینؒ کے خط تصحیف کی لغزش معلوم ہوتی ہے کہ انہی نے سراجا اور سرجا کے املا کو مصحف عثمانی کے خط سے الگ قرار دیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب عدویؓ قریشی اور حضرت ہشام بن حکیم اسدیؓ قریشی نے سورۂ فرقان کی قراءت میں جو اختلاف کیا تھا وہ اسی قسم کا رہا ہوگا جس طرح ایک قسم کے املا والے لفظ کی دو قراءتوں میں ہوسکتا ہے۔ جیسے علیٰ عبده کی بجائے علیٰ عبٰدِہ ،''تکون له جنة '' کی جگہ ''یکون له جنة ''یا ''یجعل لک قصورا'' میں لفظ ''یجعل '' کا مختلف اعراب۔ غالباً دونوں بزرگوں کا اختلاف ایک املا والے الفاظ کی قراءتوں کا ہی رہا ہوگا۔ لغت یا کلمہ کا فرق یا مرادفات کا فرق نہ رہا ہوگا۔ حدیثِ نبوی میں وارد تعبیر: ''علیٰ حروف کثیرة لم یقرئنیها رسول الله صلی الله علیه وسلم ''اور ''قد أقرأنیها علی غیر ماقرأت '' وغیرہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ اختلاف ''حروف'' کا تھا، نہ کہ ''کلمات'' کا۔ اسی قسم کی بات حافظ ابن حجرؒ نے بھی کہی ہے۔ ۷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سورۂ فرقان کے اختلافاتِ قراءت سے متعلق ایک مزید صراحت یہ کی ہے کہ جو کچھ وہ پہلے لکھ چکے تھے اس کے بعد ان کو ایک ''کتابِ کبیر'' کا علم ہوا جو ان کے شیوخ کے شیخ ابو القاسم عیس بن عبدالعزیز لخمی کی لکھی ہوئی ہے اور جس کا عنوان ہے: ''الجامع الأکبر والبحر الأزخر '۔ وہ تیس جلدوں میں ہے اور اس میں سات ہزار روایاتِ مختلفہ کا بیان ہے۔ سورۂ فرقان میں حافظ ابن حجرؒ کی بیان کردہ چیزوں کے قریب قریب اس کتابِ کبیر میں اختلافات ہیں اور سورہ کی ترتیب

کے ساتھ ان کی مزید وضاحت اختلاف بہ اختلاف اور قراءت بہ قراءت کی ہے۔ ۸

اہم مسئلہ یہ ہے کہ قراءت کا اتنا اختلاف مصحفِ عثمانی کے مرتب، شائع اور نافذ ہونے کے بعد قراء متاخرین نے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو "صحفِ صدیقی" ملے تھے نہ دوسرے "مصاحفِ صحابہؓ"، کیوں کہ وہ سب ضائع کردیے گئے تھے۔ ان اختلافی قراءات میں زبانی روایات کا بھی دخل ہوسکتا تھا اور تھا۔ لیکن خطِ مصحفِ عثمانی سے الگ املا والے الفاظ کی قراءاتِ شاذ تسلیم کرنی مشکل ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ علمی بحث تو ہوسکتی ہے، مگر قراءاتِ شاذہ کی اجازت دینے سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے، بالخصوص مصحفِ عثمانی کے موجودہ خطِ نسخ اور اعراب اور نقطوں سے پابند قراءت کے بعد۔ ۹

تسلیم شدہ قراءاتِ سبعہ

موجودہ مصحفِ عثمانی کے رسم الخط کو "معیاری" "ناقابلِ تبدیلی" "حتمی" اور "آخری" تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اس متفقہ اور اجماع کردہ خط و رسم کے اندر اندر ہی جن قراءات کی گنجائش نکلتی ہے ان کو جائز و صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ جمہور قراء و ماہرین فن کے مطابق "قراءاتِ سبعہ" ہیں۔ یہ صحیح ترین ہے، بعض دوسروں نے ان کی تعداد زیادہ بھی بتائی ہے، جیسے قراءاتِ عشرہ سے "اربعۃ عشر" تک۔ یعنی دس سے چودہ قراءتیں، مگر ان پر جمہور ماہرین کا اتفاق نہیں ہے۔ ۱۰

امام زرکشیؒ نے ایک حقیقت یہ بیان کی ہے کہ قراءت یا قراءات توقیفی ہوتی ہیں، اختیاری نہیں: ان القراء ات توفیقیة ولیست اختیاریة ......بعض علماء جیسے زمخشریؒ وغیرہ کے اختلافِ خیال پر نقد کرکے کہا ہے کہ وہ سنت متبعہ ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں اور اس کا رسول اکرم ﷺ سے مروی ہونا ضروری ہے۔ بہر حال امام بدر الدین زرکشیؒ نے قراء سبعہ کے اختلاف کو سات صورتوں میں محدود کرکے بیان کیا ہے:

۱۔ کلمہ کے اعراب میں اختلاف ہو مگر املا بدلے نہ معنی، جیسے بُخل، بَخَل، مَیْسَرۃ، مَیْسُرۃ

۲۔ کلمہ کے اعراب میں اختلاف سے معنی بدلیں مگر املا نہ بدلے، جیسے باعِدْ بین اسفارنا اور بَاعَدَ بین اسفارنا

۳۔ کلمہ کے حروف میں تبدیلی سے معنٰی بدلیں، مگر رسم خط جوں کا توں رہے، جیسے کَیْفَ نُنْشِزُھَا کی جگہ کَیْفَ نُنْشِرُھَا

۴۔ کلمہ کی صورتِ املا بدلے مگر معنی نہ بدلیں، جیسے صیحۃ واحدۃ کی جگہ زقیۃ واحدۃ

۵۔ کلمہ کی صورت و معنی دونوں بدل جائیں، جیسے الم تنزیل الکتب کی جگہ الم ذلک الکتاب

۶۔ کلمات میں تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہو، جیسے جاء ت سکرۃ الموت بالحق کے بجائے جاء ت سکرۃ الحق بالموت

۷۔ بعض حروف یا کلمات کا اضافہ ہو، جیسے وما عملت کی جگہ وما عملت ایدیھم ......[۱۱]

اما زرکشیؒ کی بحث امام ابن قتیبہ دینوریؒ کی بحث سے مختلف نہیں ہے۔ وہی سات صورتیں ہیں۔ ان میں خط اور املا کا فرق بھی پایا جاتا ہے۔

یہ قراء سبعہ درج ذیل تھے:

۱۔ عبداللہ بن کثیر مکی قرشی (م ۱۲۰/۱۲۲ھ/ ۷۳۷-۷۳۸ یا ۷۳۹-۷۴۰ء)

۲۔ نافع بن عبدالرحمٰن مدنی اصبہانی (م ۱۶۹ھ/ ۷۸۵-۷۸۶ء)

۳۔ عبداللہ بن عامر یحصبی دمشقی (م ۱۱۸ھ/ ۷۳۶ء)

۴۔ ابوعمرو بن العلاء بصری (م ۱۴۵ھ/ ۷۶۲-۷۶۳ء)

۵۔ عاصم بن ابی النجود کوفی (م ۱۲۷ یا ۱۲۸ھ/ ۷۴۴-۷۴۶ء)

۶۔ حمزہ بن حبیب اسدی کوفی (م ۱۵۶ھ/ ۷۷۲-۷۷۳ء)

۷۔ ابو علی بن حمزہ کسائی کوفی (م ۱۸۹ھ/۸۰۴-۸۰۵ء)

امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ''اگر وہ قراءتیں (حضرت) عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے مضمون میں سے کسی مصحف میں نہ پائی جائیں تو ان کو شاذ تصور کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ متفق علیہ رسم (خط) کے خلاف ہیں''۔[۴۲]

مطبوعہ متن قران/مصحف میں بعض قراء کا اختلاف یا قراءت صحیحہ کا ذکر بھی ملتا ہے، جیسے سورۂ ہود۔ ۴۱: ''بسم اللہ مجرھا'' میں حاشیہ پر لکھا گیا ہے کہ امام حفص نے مجریھا پڑھا ہے: قرأ حفص بضم الميم و إمالة الراء، یا سورہ الروم: ۵۴ میں ''من بعد ضُعُفٍ قوة'' کو حفص نے بضم الضاد بھی پڑھا ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی یعنی ضَعْف، جیسے کہ بعض سعودی مصاحف میں ہے۔

کلمات کا اختلاف

روایات میں آتا ہے کہ بعض مصاحفِ صحابہ کرام میں اور قراء کرام کی بعض قراءات میں بھی کلمات کا اختلاف پایا جاتا تھا۔ امام ابن قتیبہ دینوریؒ، حافظ ابن حجرؒ اور بعض دوسرے اکابرِ اہلِ قلم کے حوالے سے اس کا ذکر پہلے بھی اچھا خاصا آچکا ہے۔ بعض مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ نازل شدہ الفاظ کے مرادفات بھی استعمال کرنے کی اجازت سبعہ احرف کے تحت دی گئی تھی۔ جیسے قراءت ابن مسعودؓ میں ''یُجْزَوْنَ الْغُرْفَة'' کے بجائے ''یُجْزَون الجنة'' ہے، یا ''یعقلون'' کی جگہ ''یبصرون'' یا اس کا برعکس پایا جاتا ہے، یا آیتِ کریمہ کے تنزیلی الفاظ میں تقدیم و تاخیر کی اجازت اور سہولت بھی پائی جاتی تھی، جیسے ''جاء ت سکرة الموت بالحق'' کے بجائے بعض بزرگ ''جاء ت سکرة الحق بالموت'' پڑھا کرتے تھے۔ سورۂ فرقان کے اختلافاتِ قراءت میں اس کی متعدد مثالیں گذر چکی ہیں۔

ہمارے علماء کرام اور ماہرینِ فن نے یہاں اس نکتہ پر دھیان نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ یا رسول اکرم ﷺ کے تعلیم کردہ الفاظ و تعبیرات کے تحت

یہ اختلافاتِ قراءت آتے ہیں یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ عربوں کو اپنی جانب سے تنزیلی الفاظ وعبارات کے بالمقابل اپنے غیر منزل مرادفات وکلمات رکھنے کا حق حاصل تھا یا نہیں؟ مولانا اکبر آبادیؒ جیسے بعض اہلِ علم نے دوسرے سوال کے جواب میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ''قبائل کو اس کا اختیار دے دیا تھا کہ لغتِ قریش پر نازل شدہ کسی آیت میں اگر کوئی لفظ کسی قبیلہ کے لیے عسیر التلفظ یا عسیر الفہم ہو تو وہ اس کی بجائے اپنے قبیلہ کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ اجازت موقّت ہی ہوسکتی تھی، دائمی نہیں ہوسکتی......''[۱۳]

''غیر الٰہی الفاظ وعبارات'' کو رکھنے کی اجازت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ یہ موقف یا خیال قطعی غلط ہے۔ ایک اور اہم ترین وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے، اس کے الفاظ وعبارات میں تبدیلی اور دوسرے الفاظ ومرادفات لانے کا حق تو رسولِ اکرم ﷺ کو نہیں تھا، چہ جائے کہ عربوں کے جمِ غفیر اور قبائلِ عرب کے ان پڑھ اور ان گڑھ لوگوں کو دے دیا جاتا۔ پھر عام انسانوں/عربوں کو کتنے الفاظ وتعبیراتِ قریش مشکل معلوم ہوتے تھے۔ وہ فصیح عربی تھی جو تمام قبائلِ عرب کے لیے آسان تھی۔ دوسرے ان کو پورے قرآن مجید کے تمام الفاظ وتعبیرات سے واسطہ نہ تھا۔ چند سورتیں ان کے لیے کافی تھیں اور ان میں ایسی کوئی دقت نہ تھی۔ پھر ہر کس و ناکس کو ''تبدیلی الفاظ'' کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اور علماء اور تعلیم یافتہ کے لیے اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لہٰذا مولانا اکبر آبادیؒ اور ان کے ہم خیال اصحابِ علم کا یہ خیال قطعی بے بنیاد ہے کہ قبائلِ عرب کو مشکل قرآنی الفاظ کی جگہ اپنے قبائلی آسان الفاظ ومرادفات کی اجازت دے دی تھی۔ اور وہ بھی رسولِ اکرم ﷺ نے، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ الفاظ وتعبیرات کے نہ صرف بنفس نفیس پابند تھے، بلکہ دوسروں سے بھی اس کی پابندی کرانے پر مامور تھے۔ منطقی اور نقلی لحاظ سے بھی یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے کیوں کہ اللہ کے کلام میں انسانی کلام کا شامل کرنا اس کو غیر الوہی کلام بناتا ہے۔ پھر کسی فقرے، کلمے اور تعبیر کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کیسے کہا

جاسکتا ہے کہ وہ الٰہی کلام ہے۔

ایک اور خطرہ اور انتہائی دور رس اثرات و نتائج کا حامل خطرہ یہ تھا کہ بہت سے عرب قبیلے اور ان کی شاخیں اپنے مقامی لہجے اور بولی کے مطابق الٰہی الفاظ و عبارات کوتبدیل کرتے چلے جاتے۔اس طرح سے قرآن مجید میں غیرانسانی کلام کی آمیزش ہی نہ ہوتی، بلکہ الٰہی کلام کہیں کہیں انسانی کلام کے بیچ بیچ میں پایا جاتا۔خود قریش کے بعض افراد وطبقات اور شاخوں کو بھی کچھ الفاظ وعبارات مشکل معلوم ہوتے تھے۔حتی کہ بعض اکابر عہد نبوی کے بارے میں روایت آتی ہے کہ ان کو ''اَبّـا'' (سورۂ عبس -۳۱) کے معنی سمجھنے میں دقت ہوئی ،تو ان کو بھی مرادف لانے کی اجازت مل جاتی۔

پھر سمجھنے میں مشکل اور ادائی میں مشکل کی کوئی حد نہیں۔ایک ہی لفظ مختلف علمی، تعلیمی اور تربیتی سطح کے مختلف افراد کے لیے بیک وقت مشکل اور آسان ہوسکتا ہے اور حقیقتاً ہوتا ہے۔ایسا ایک قبیلہ کے لیے بھی ممکن تھا اور قریش کے لیے بھی۔بلکہ بسا اوقات ایک لفظ ،ایک کلمہ اور ایک تعبیر دو بڑے عالموں اور ماہرینِ قرآن کریم کے لیے بھی بیک وقت مشکل و آسان ثابت ہوا۔اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا اور ہوسکتا ہے کہ ایک عامی اہلِ زبان کے لیے ایک لفظ کے معنی بالکل واضح تھے اور ہوئے اور دوسرے عالم اہلِ زبان پر اس کے حقیقی معنی مخفی رہ گئے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے ماہرِ فن اور حبر (عالم) قرآن کو لفظ ''فاطر'' کا صحیح معنی اور ''خالق'' سے اس کا معنوی فرق دو بدّو عربوں کی گفتگو سے سمجھ میں آیا۔

کلمات ومترادفات کا اصلی سبب

مصاحفِ صحابہ کرام میں اختلاف قراءت کے حوالے سے جو کلمات کا فرق اور مرادفات کا وجود پایا جاتا ہے اس کا اصل سبب یہ نہیں تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے الفاظِ قرآنی کی دقتِ معنٰی اور پریشانئ تلفظ کے سبب ان کی اجازت دے دی تھی۔بلکہ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے بعض الفاظ وتعبیرات کے معانی اپنی زبان میں اور

اپنی فہم کے مطابق حاشیہ میں یا لفظِ قرآنی کے ساتھ عبارت ہی میں لکھ لیے تھے۔ بعد کے لوگوں نے اسے اختلافِ قراءت سے تعبیر کر دیا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مصحف کا معاملہ ہو یا کسی اور کا، اصل وجہ یہی تھی۔ چند مثالوں سے یہ بات زیادہ واضح ہوگی۔

سورہ الفرقان-۴۱: ''اھٰذا الَّذی بَعَثَ اللّٰه'' سے متعلق روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے اس کو پڑھا: ''اختارہ اللہ من بیننا''۔ اصل آیت کریمہ کے تمام الفاظ وکلمات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو سمجھنے میں مشکل ہو یا تلفظ میں دقت طلب۔ پھر پورے قرآنی فقرہ/آیت کو بدلنے کی حاجت پیش آ گئی تھی اور وہ بھی ان دونوں ماہرین فن کو جن میں سے ایک معلّمِ قرآن اور دوسرا کاتبِ وحی تھا اور جن سے قرآن کریم سیکھنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے خود دیا تھا۔ پھر ان کے قبیلے بھی مختلف تھے: حضرت ابن مسعودؓ ہذلی تھی اور حضرت ابی بن کعبؓ خزرجی - دونوں کو اپنی قبائلی زبان کی دقت درپیش ہوتی تو دونوں ایک ہی تعبیر پر کیسے متفق ہو گئے؟ منطقی اور اصولی لحاظ سے اور دعوے کے مطابق دونوں کے مرادفات علیحدہ ہونے چاہیے تھے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعتراض وطنز و استہزاء کو نقل کیا ہے جو وہ رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھ کر کرتے تھے کہ اچھا یہی وہ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ و ابی بن کعبؓ نے اس کے معنی بتائے کہ اچھا یہی وہ ہیں جن کو اللہ نے ہمارے درمیان سے منتخب کیا ہے۔ یہ اصلاً معنی کی ترسیل، عبارتِ الٰہی کی تسہیل اور مرادِ ربانی کی توضیح وتفسیر ہے نہ کہ قراءت۔ اس کی مزید وضاحت اگلی آیتِ کریمہ-۴۲: ''اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِھَتِنَا'' کی قراءتِ بزرگانِ موصوف سے ہوتی ہے جس میں اضافی کلمہ ملتا ہے یعنی ''ان کاد لیضلنا عن عبادۃ الھتنا'' یعنی ان کافروں اور نکتہ چینوں کا الزام تھا کہ اگر ہمارے پاؤں مضبوطی سے جمے نہ ہوتے تو اس رسول (ﷺ) نے ہم کو ہمارے معبودوں (کی عبادت) سے دور کر دیا ہوتا۔ یہاں ''عبادۃ'' کے کلمہ کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی، جب کہ آیت کریمہ میں نہ کوئی لفظ سمجھنے میں مشکل ہے اور نہ اس کے تلفظ میں کوئی رکاوٹ ہے۔ ظاہر ہے کہ معبودوں

سے دور کرنے کا مطلب یوں بیان کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے بتوں کی عبادت سے ہی بچلا دیتے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور دوسرے مفسرین نے یہی معنی لکھے ہیں۔

سورۂ الفرقان کی تمام آیاتِ کریمہ میں جہاں جہاں قراءت میں کلمات و الفاظ کی تبدیلی ملتی ہے وہ قراءت نہیں، بلکہ تفسیری معنی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان آیاتِ کریمہ کے ساتھ ساتھ افہام وتفہیم کے لیے لکھ لیے یا اپنی قراءتِ قرانِ کریم میں ان کو بطور توضیحی معانی اور تفسیری اظہارات کے آیاتِ متعلقہ کے ساتھ ساتھ پڑھ دیتے تھے۔ ان میں اصل راویوں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ انھوں نے ان کو بطور تفسیری قراءات کے بیان کیا تھا جیسے جلالین وغیرہ میں ملتا ہے، مگر ہمارے شارحین نے ان کو قران مجید کے الٰہی الفاظ وکلمات کی مختلف قراءات بنا کر پیش کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی تمام توضیحی وتفسیری عبارات وکلمات کو تجزیاتی میزان میں پرکھا جائے تو اسی نتیجہ پر۔صرف اسی نتیجہ پر- ایک صاحب علم وفن پہونچے گا۔ ان کو قراءت قرآن کی دوسری شکل صرف نابلد ہی کرسکتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے آیت کریمہ: ۴۴ میں لفظ یا فقرہ ''اویعقلون'' کے معنی بتائے ''اویبصرون'' جو ''یسمعون'' سے لگّا کھاتا ہے۔ آیت: ۴۸ میں ''وَهُوَ الَّذِى اَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا'' میں لفظ ''ارسل'' کے ساتھ ''جعل'' پڑھ کر یہ بتایا کہ یہاں مرادِ الٰہی یہ ہے کہ اس نے ہواؤں کو بنایا بشارت دینے والا......اسی طرح آیت: ۴۹ میں ''لِنُحْيِىَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتاً'' (کہ ہم اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیں) کی یہ تفسیر کی یعنی ان ہواؤں کو بکھیر کر (لننشر بہ)......اسی طرح آیت: ۷۵ میں ''يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ'' (بدلہ وجزا میں ان کو غرفہ دیا جائے گا) کا مطلب انھوں نے یہ بتایا کہ ''الغرفة'' سے مراد ہے ''الجنة'' حافظ ابن کثیرؒ نے بعض ماہرینِ فن کے حوالے سے بتایا ہے کہ جنت کو غرفہ اس کی بلندی (ارتفاع) کے سبب کہا گیا۔ حضرت ابن مسعودؓ کی قراءت ''الجنة'' معنوی تشریح وتعبیر ہے۔ یہی صورت آخری آیت کریمہ: ۷۷ میں ''فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَاماً'' (اور تم نے تکذیب کر لی پس عنقریب وہ

مصیبت بنے گی) کا مفہوم و معنٰی بتاتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ و ابن الزبیرؓ تین تین بزرگوں نے بتایا کہ تکذیب کرنے والوں سے مراد کافرین ہیں، لہذا انھوں نے تشریحی و تفسیری جملہ لکھا: '' فقد كذب الكافرون '' تا کہ اس فعلِ تخاطب (جمع حاضر ماضی) سے کہیں کوئی عاقل مسلمانوں کو مراد نہ لے لے ۔ یہاں یہ دلچسپ حقیقت بھی موجود ہے کہ یہ معنی/ قراءت کرنے والے ایک حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ بھی تھے جو مصاحفِ عثمانی کے مرتبین، کاتبین اور ناسخین (لکھنے والوں) میں شامل تھے۔ وہ بھی قراءت مختلف کرتے؟

تلفظ کا مسئلہ

قرآن مجید کے تنزیلی الفاظ و کلمات میں بعض کا تلفظ- صحیح تلفظ- ادا کرنا مشکل ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے وہ قریش کے بعض افراد و طبقات کے لیے بھی ممکن تھا اور غیر قریشی افراد و طبقات کے لیے بھی ۔ اس میں لسانی گرہ کا معاملہ ہے ۔ ذاتی دقت کے علاوہ بعض علاقوں میں ایک حرف یا لفظ کا تلفظ کسی لسانی دقت/ گرہ کے سبب مختلف ہوجاتا ہے۔ یہ عرب قبائل یا عربوں کا ہی مسئلہ نہیں تھا ، بلکہ تمام زبانوں کے بولنے والوں کا ہوسکتا تھا اور ہوتا ہے ۔ عربی الٰہی قرآن کریم میں عجمی تلفظ بڑی رنگا رنگی دکھا سکتا ہے اور بسا اوقات گل کھلاتا ہے ۔ ایک عرب کے لیے عجمی تلفظ لفظ کو کچھ سے کچھ بنادیتا ہے۔

مشہور ہے کہ عرب '' ضاد '' والی قوم ہیں، یعنی حرف ضاد (ض) کو صحیح مخرج سے ادا کرنے پر صرف وہی قادر ہیں۔ دوسری اقوام اور ان کے افراد الا ماشاء اللہ بالعموم حرف '' ض '' کو اس کے صحیح مخرج سے نہیں نکال سکتے کہ ان کی زبان اس کے لیے نہیں بنی ، اسی طرح قریب آواز رکھنے والے الفاظ: ث ، س ، ص اور ذ ، ز ، ظ ، ض ، اور ت ، ط اور ح ، ہ ، وغیرہ کے تلفظ کا فرق روا رکھنا سب کے لیے ممکن نہیں، صرف فنِ تجوید سے واقف اور اس کے ماہر ہی ان کو صحیح تلفظ سے ادا کرسکتے ہیں۔ بعض حروف کا تلفظ مختلف

علاقوں، قبیلوں اور زمروں کے لوگ بعض اوقات الگ کر دیتے ہیں جو ان کی حلق و زبان کی تربیت پر مبنی ہوتا ہے، جیسے گذر چکا کہ قبیلۂ ہذیل کے لوگ ''حتی'' کو ''عتی'' ادا کرتے تھے۔ یہاں یہ دلیل نہیں دی جاسکتی کہ وہ ح سے حتی پڑھنے پر قادر نہ تھے، کیوں کہ جو مثال دی جاتی ہے وہ ''حتی حین'' ہے اور دونوں لفظوں کا آغاز ''ح'' حروف سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ''عتی عین'' پڑھتے نہ کہ ''عتی حین''۔ ثابت ہوا کہ وہ ''حتی'' کی جگہ ''عتی'' ہی استعمال کرتے تھے جیسے ہمارے حیدر آبادی اہل زبان بھی ق کا تلفظ خ سے اور پنجابی صاحبانِ علم ''ک'' سے کرتے ہیں۔ یہ ان کی لسانی مجبوری ہے مگر ہذیل کے ساتھ وہ نہ تھی، لہٰذا یہ اجازت ضرور ہی دی گئی تھی کہ وہ اپنے تلفظ کے ساتھ، جیسا بھی وہ ہے، قرآن کریم کی قراءت و تلاوت کریں۔ لیکن اس پر بھی قدغن تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کے ''عتی حین'' پڑھنے پر ان کو تاکید کی تھی کہ وہ حتی حین پڑھیں اور پڑھایا کریں کہ وہ لغتِ قرآن ہے۔[۲۱]

در اصل یہ معاملہ ہے بعض حروف کے بعض حروف سے تبدیل کرنے کی عادت و طریقۂ عرب کا۔ وہ بعض حروف کو بعض سے قابلِ تبدیلی مانتے تھے جیسے ''س'' کو ''ص'' سے یا اس کے برعکس۔ قرآن مجید میں ''صراط'' کے نیچے بسا اوقات چھوٹا سا ''س'' لکھا ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ سراط یعنی س سے بھی لکھا جاسکتا ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک سراط ہی زیادہ فصیح ہے۔ قریش البتہ اسے صراط (ص سے) سے ہی فصیح مانتے تھے۔ اسی طرح لفظ ''مسیطر'' ''مصیطر'' بھی ہے اور دونوں الگ الگ ماہرینِ لغت کے نزدیک فصیح تر اور صحیح تر ہیں۔ علمائے لغت کے خیال میں بعض حروف دوسرے حروف سے تبدیل ہوجاتے ہیں۔ ان میں ''س'' اور ''ص'' بھی ہیں اور دوسرے قریب التلفظ حروف بھی۔ سورہ الغاشیہ کی آیت کریمہ ۲۲: **لست علیهم بمصیطر** (تو نہیں ان پر داروغہ) کے آخری لفظ پر چھوٹا سا ''س'' (**بمصۜیطر**) لکھا ہوا ہے، وہ اس بات کی علامت ہے کہ بعض علماء قرآن کے نزدیک اس کا فصیح املا ''س'' سے ہے یعنی ''بمسیطر''۔ اسی طرح ادغام کا مسئلہ ہے کہ دو قریب الصوت

حروف میں ادغام کر کے تلفظ صرف ایک ہی حرف کا کیا جاتا ہے۔ جیسے سورہ یوسف۔ ۴۵ میں وادَّکَـرَ ہے۔ علامہ زرکشیؒ نے متعدد مثالیں ادغام کی دی ہیں اور بعض حروف کے بعض سے تبدیل کیے جانے کی روایت کا ذکر کیا ہے جیسے بسطۃ اور بصطۃ (البقرہ: ۲۴۷، الاعراف: ۶۹) یبسط اور یبصط (الرعد۔ ۲۶، البقرۃ: ۲۴) یُسِرّون اور یُصِرُّوْنَ (ہود: ۵، ۲۰، ۳۸، واقعۃ: ۴۶) یُسْحَبُوْنَ اور یُصْحَبُوْنَ (قمر۔ ۳۸، انبیاء۔ ۴۳) وغیرہ۔ ۱۵ لیکن ان مثالوں میں معانی بھی بدل جاتے ہیں۔

اس پوری بحث میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کلامِ الٰہی کے الفاظ و حروف میں کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت نہ تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیم و قراءت میں جو الفاظ و حروف اور کلمات و تعبیرات آئی تھیں وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تھیں۔ کسی شخص یا طبقہ کو اس بات کا حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی طرف سے اپنی خواہش کی بنا پر، آسانی کی خاطر کسی قسم کی تبدیلی کر سکے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی بہت عمدہ اور بہت صاف وضاحت کی ہے جس کا نقل کرنا یہاں چشم کشا بھی ہوگا اور بصیرت وا بھی۔ انھوں نے لکھا ہے:

وتتمة ذلک ان یقال: ان الإباحة المذکورة لم تقع بالتشهی، ای ان کل أحد یغیّر الکلمة بمرادفها فی لغته، بل المراعی فی ذلک السماع من النبی ﷺ، ویشیر الی ذلک قول کل من عمرو هشام فی حدیث الباب: أقرأنی النبی ﷺ. ۱۶

بطورِ خلاصہ یہ کہا جائے گا کہ مذکورہ اباحت خواہش پر مبنی نہیں ہے کہ ہر ایک کو اجازت ہو کہ کسی لفظ کو بدل کر اپنی زبان کے کسی دوسرے مترادف لفظ کو استعمال کرلے، بلکہ اس سلسلے میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ نبی ﷺ سے اس کی سماعت کی ہو، اس کا اشارہ زیرِ بحث حدیث میں حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ دونوں کی اس بات سے ہوتا ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے ہی پڑھایا ہے۔

اختلافِ قراءت سے متعلق تمام بحثوں کا حاصل یہی ہے کہ:

۱۔ رسولِ اکرم ﷺ سے جو قراءت یا اختلافِ قراءت ثقہ طریقہ پر منقول ہو وہی قابلِ قبول ہے۔

۲۔ مترادفات یا کلمات کو اپنی طرف سے بڑھانے یا لانے کی کوئی روایت آپ ﷺ سے مروی نہیں۔

۳۔ تمام مرادف الفاظ وکلمات اور دوسری تعبیرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر و تشریح کے ذیل میں آتی ہیں، وہ قراءت قرآن نہیں ہیں۔

۴۔ اعراب اور بعض حروف کی جو کمی بیشی حدیثِ نبوی میں آتی ہے وہ اختلافِ قراءت کے بطور قبول کی جاسکتی ہے۔

۵۔ تمام اختلافاتِ قراءات کا مصحفِ عثمانی کے رسم الخط کے اندر ہونا لازمی ہے، کیوں کہ وہی منزل من اللہ ہے۔

۶۔ تلفظ کا اختلاف لسانی مجبوری سے ہو تو قابل قبول ہے، محض علاقہ، قبیلہ، محاورہ کی بنا پر اختیاری غیر مقبول ہے۔

۷۔ ابن قتیبہ دینوریؒ جیسے علماء ولغت نے جن اختلافاتِ قراءت کو نقل کیا ہے وہ رسم خط مصحفِ عثمانی کے مخالف ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہیں۔

حواشی ومراجع:

۱؎ بحث کے ملاحظہ ہو سعید احمد اکبرآبادی کا مقالہ ''انزل القرآن علی سبعة احرف'' ''نذرِ ذاکر'' دہلی، خاکسار کا مقالہ اسی موضوع پر ''دراساتِ دینیہ علی گڑھ ۱۹۹۱ء

۲؎ وقال ابو عبيد : ليس المراد ان كل كلمة تقرأ على سبع لغات، بل اللغات السبع مفرقة فيه، فبعضه بلغة قريش وبعضه بلغة هذيل، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔ طبع دارالسلام ریاض ۱۹۹۷ء، ۳۵/۹

۳؎ ابن حجر، فتح الباری، حوالہ سابق کے علاوہ کتاب المصاحف: ۱۳-۱۴، یقول

أهل الكوفة قراء ة عبدالله،ويقول أهل البصرة قراء ة أبی موسیٰ

۴ **لأن لغة هشام بلسان قريش و كذلک عمر، ومع ذلک فقد اختلفت قراء تهما، نبه علي ذلک ابن عبد البر،** فتح الباری، ۳۴/۹

۵ مولانا سعید احمد اکبرآبادی، عثمان ذوالنورین، ص: ۳۱۱-۳۱۲

۶ حوالہ سابق، ص۳۱۲ ۷ فتح الباری، ۴۶/۹

۸ فتح الباری، ۴۶/۹-۴۸: **فهذه ستة و خمسون موضعا ليس فيها من المشهور شئی، فليضف إلیٰ ما ذکرته أوّلاً فتکون جملتها نحوا من مائة وثلاثين موضعاً، والله اعلم**

۹ فتح الباری، ۴۸/۹-۴۹

۱۰ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، نوع ۲۲-۲۷، ۷۷/۱-۷۹ و مابعد، مطبعۃ حجازی قاہرہ، غیر مورخہ، اردو ترجمہ از محمد حلیم انصاری، لاہور ۱۹۸۲ء نوع ۲۲-۲۷، ۲۰۰/۱-۲۲۱، نیز زرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیۃ مصر، ۱۹۵۷ء نوع ۲۲، ۳۱۸/۱ و مابعد، زرکشی نے قراءات سبعہ پر بہترین کتاب ابوعمرو دانی کی ''التیسیر'' بتائی ہے اور پھر شاطبی کی منظوم 'لامیہ'' کو قرار دیا ہے۔

۱۱ زرکشی، ۳۳۴/۱-۳۶۸

۱۲ الاتقان، اردو ترجمہ، ۲۰۲/۱، نیز ۲۱۶-۲۱۷

۱۳ عثمان ذوالنورین، ۳۱۲، ۱۴ فتح الباری، ۳۳/۹

۱۵ البرہان، ۴۲۳/۱-۴۳۰

۱۶ فتح الباری، ۳۳/۹ طبع لبنان، زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، ۳۲۲/۱، **لأن القراء ة سنة مروية عن النبی ﷺ ولا تکون القراء ة بغير ما روی عنه**